تاریخ شیعہ کا مختصر خاکہ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَآءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ وَ اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ ط

شیعیت کا ابتدائی دور

پیغمبر اسلام ﷺ کے دور میں شیعہ اور غیر شیعہ کی کوئی تفریق ظاہر نہ ہوئی تھی تاہم نمایاں طور پر تین آدمی اہلبیتؑ طاہرین کے ساتھ خاص عقیدت رکھتے ہوئے محسوس ہوتے تھے یہ سلمانؓ، ابوذرؓ اور مقدادؓ تھے جو شیعہ کے لقب سے خصوصیت کے ساتھ ملقب ہوئے۔ یہی وہ اشخاص تھے جو وفات پیغمبرؐ خدا کے بعد اس وقت جب کہ ایک دنیا سیاسی رو میں بہہ کر اہلبیتؑ سے کنارہ کش ہوگئی تھی، ایک لمحہ کے لئے بھی رسولؐ اور اہلبیتؑ رسول کی وفاداری سے منحرف نہیں ہوئے اور پیغمبرؐ خدا سے کئے ہوئے اس معاہدہ پر برقرار رہے جو غدیر خم میں ولایت حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے اقرار کے بارے میں ہو چکا تھا۔ ان کی استقامت کے اثر سے چند اشخاص نے اور اس مسلک کو حق سمجھتے ہوئے اس سے وابستگی اختیار کی۔ ان ہی میں سے بارہ[۱۲] آدمی وہ تھے جنھوں نے جمعہ کے دن مسجد رسولؐ میں امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کے حق خلافت کے ثبوت میں تقریریں کیں اور اکثریت کے ساختہ و پرداختہ (Self-proclaimed & Self-styled) نظام حکومت کے مقابلہ میں احتجاج کیا۔

ان میں مذکورہ بالا تین بزرگواروں کے علاوہ مہاجرین میں سے عمار بن یاسر، انصار میں سے ابی بن کعب اور خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین اور تاریخی لحاظ سے قابل تعجب امر ہے کہ بنی امیہ میں سے خالد بن سعید بن عاص بھی تھے۔ باقی مہاجرین وانصار میں سے دوسرے اشخاص تھے۔

قبائل عرب میں سے جن کا نام ''مرتدین'' رکھا گیا اور ان پر منعِ زکوٰۃ (Denying Zakat) کا الزام عائد کرکے ان کے قتل وغارت کو فرض سمجھا گیا۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جن کا جرم بس یہی تھا کہ وہ اس نظام حکومت کو جو پیغمبرؐ خدا کے اعلانات کے خلاف قائم ہوا تھا، قبول نہیں کرتے تھے اور اس طرح تشیع کے مرقع میں مالک بن نویرہ وغیرہ کے خون کی رنگینی بھی اسی دور سے شروع ہوگئی۔

شیعیت کا تدریجی ارتقاء

رفتہ رفتہ کچھ امتداد زمانہ سے سیاست کا نشہ اُترنے کی وجہ سے، کچھ مذکورۂ بالا افراد سے تبادلۂ خیالات (Exchange of views) کے نتیجہ میں اور کچھ حکومت وقت کی ناانصافیوں اور بے ضابطگیوں (Injustices & abuses uiolating law) کو محسوس کرتے ہوئے بہت سے افراد نقطۂ حقیقت کے قریب آتے گئے اور خلافت عثمان میں حکومت کی اقربا پروری (بھائی بھتیجہ واد/ Nepotism) کی پالیسی نے اس رجحان کو تقویت دی۔

عثمان کی مخالفت کرنے والے اگرچہ زیادہ تر ان ہی سیاسی وجوہ سے ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہوئے تھے، مگر کچھ افراد ان کے ساتھ ایسے بھی شریک ضرور تھے جو شیعہ اہلبیتؑ ہونے کی وجہ سے اس نظام حکومت کو ہی غلط سمجھے ہوئے تھے۔ ان میں نمایاں افراد عمار بن یاسر، محمد بن ابی بکر اور مالک اشتر تھے۔ ۳۵ھ میں حضرت امیرؑ ظاہری طور پر منصب خلافت پر متمکن ہوئے تو بنی اُمیہ کے مقابلہ میں جنھوں نے آپ کا ساتھ دیا وہ سب شیعۂ علیؑ کہے جاتے تھے۔ ان

میں سے بہت سے لوگ قریب سے جناب امیرؑ کے کمالات کو دیکھ کر اورآپ کی تعلیمات سے متاثر ہوکر صحیح معنی میں بھی شیعہ ہوگئے۔عمار یاسراور مالک اشتر کے ذریعہ عراق میں شیعیت آئی۔اور محمد بن ابی بکر کے ذریعہ سے مصر (Egypt) شیعیت سے روشناس ہوا۔یمن کو حضرت علیؑ سے پہلے ہی اس لئےخصوصیت حاصل تھی کہ وہ آپ ہی کی پُرامن تبلیغ کے ذریعہ دولت اسلام سے مالامال ہوا تھا۔ جناب ابوذرغفاری کے ذریعہ جنھوں نے خلیفۂ ثالث کے دور میں شام (Syria) کے اطراف میں دورہ کیا تھا شام کے پہاڑی صوبہ جبل عامل* کے شہروں میں تشیع کا شیوع ہوا۔

اس دور کے ایسے افراد شیعہ جو نمایاں حیثیت رکھتے تھے مالک اشتر، سعید بن قیس ہمدانی، قیس بن سعد بن عبادہ، حجر بن عدی، عمرو بن حمق خزاعی اور عبداللہ بن بذیل بن ورقاء خزاعی وغیرہ تھے جو جہاد بالسّیف کے بھی بڑے مردمیدان تھے۔

ان کے علاوہ ایسے افراد جو علم ومعرفت میں جناب امیرالمومنینؑ سے استفادہ کرکے بڑے درجوں پر فائز ہوئے کمیل ابن زیاد، میثم تماراور رشید ہجری وغیرہ تھے۔جناب امیرؑ کے روحانی فیوض آپ کی اولاد طاہرین کے علاوہ ان حضرات کے ذریعہ سے پھیلے۔علوم تفسیر وفقہ وفرائض وغیرہ میں عبداللہ بن عباس نمایاں حیثیت رکھتے تھے اورعلوم لسان (Linguistie sciences) میں ابوالاسود دئلی آپ کے خاص شاگرد تھے جنھوں نے قرآن مجید پر نقطے لگائے اور اعراب دیئے۔ان کی اس خدمت سے عالم اسلامی قیامت تک ان کا ممنون احسان رہے گا۔

ادوارِ ابتلاء اور ان کا ردّعمل

تحکیم (Arbitration) کے بعد حکومت شام کے اقتدار میں اضافہ ہوگیا اور امام حسنؑ کی مصالحت کے بعد معاویہ شاہی تمام عالم اسلامی پر چھاگئی۔یہ دور شیعیت کے لئے بہت ناسازگار تھا حجر بن عدی اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ سولی پر چڑھادیئے گئے۔ عمر بن الحمق کا سرقلم کرکے نیزے پر بلند کیا گیا۔حضرمیین کا قتل وغارت کیا گیا۔زیاد ابن ابیہ، سمرہ بن جندب اور بسر بن ارطاۃ نے ہزاروں شیعیان علی کو تلوار کے گھاٹ اتاردیا۔ ۶۰ھ تک یہی عالم رہا۔

اس وقت پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ عالم اسلامی میں جماعت شیعہ بھی کوئی وجود رکھتی ہے مگر ۶۱ھ میں جب کربلا میں حسینؑ بن علیؑ نے کارگاہ قربانی مرتب کی تو دنیا نے شیعیت کی حقیقی طاقت اپنی آنکھوں سے ان بہتّر کی شکل میں دیکھی جن کے ایسے مخلص اور ثابت قدم اس کے پہلے کبھی دس بھی یکجا نظر نہ آئے تھے۔اس کے پہلے پندرہ بیس برس کی مدت تک کسی کو ہمت نہ تھی کہ وہ اہلبیت کے فضائل کا اعلان کرسکے مگر شہادت حسینؑ نے جرأت اظہار کو وہ تقویت پہنچائی کہ سلیمان بن صرد خزاعی کے ساتھ ہزاروں آدمی سر سے کفن باندھ کر میدان میں آگئے۔پھر مختار کے مجاہدات میں جو خون حسینؑ کے انتقام کے لئے تھے شیعیت نے کھل کر اپنی زندگی کا ثبوت دیا۔اگرچہ سلطنت کی بے پناہ طاقتوں نے ان زندگیوں کا گلاگھونٹ دیا مگر وہ روح مردہ نہیں ہوئی اور آخر اسی نے سلطنت بنی امیہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔بنی عباس نے اسی شیعیت کے زیرسایہ اپنی سلطنت قائم کی۔یہ اور بات ہے کہ انھوں نے حصول اقتدار کے بعد بدعہدی سے کام لیا اور اولاد علیؑ بن ابی طالبؑ سے اپنے سوتیلے پن کی عداوت کا ثبوت دیا۔شیعہ وزیر ابوسلمہ خلال کو قتل کیا اور ابومسلم اصفہانی کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا اور پھر ائمہ اہلبیتؑ اور سادات پر ایسے مسلسل مظالم ڈھائے جیسے مظالم ڈھانے کا بنی امیہ کو بھی اس تسلسل کے ساتھ موقع نہیں ملا تھا۔

بے شک بنی امیہ کی سلطنت کے اضمحلال اور عباسیہ حکومت کے استحکام کے درمیانی وقفہ میں حضرت امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے دور میں ذرا تعلیمات اہلبیتؑ کی اشاعت اور اپنے علمی ذخیرہ کے کسی حد تک تحفظ اور اپنے مذہبی عقائد واحکام کی تدوین کا افراد شیعہ کو موقع ملا۔اس دور میں مسائل امامت وغیرہ پر مناظرات بھی ہونے لگے تھے اور ہشام بن حکم، ہشام بن سالم، قیس، ماصر، مومن الطاق وغیرہ کلامی مسائل پر جہاد باللسان (زبان سے جہاد)

*اب لبنان میں

کا فرض انجام دے رہے تھے زرارہ بن اعین، محمد بن مسلم اور ابوبصیر وغیرہ حفظ احکام شریعت کا، اسمٰعیل حمیری اپنی شاعری سے نشر فضائل اہلبیتؑ کا بیڑا اُٹھائے ہوئے تھے اور جابر بن حیّان طرسوسی علوم عقلیہ اور ابان بن تغلب لسانیات (Linguistics) میں شیعی ثقافت (Culture) کا سکہ بٹھا رہے تھے۔

۱۵۰ھ کے بعد بنی عباس کی سلطنت کا تشدد بہت بڑھ گیا اس حد تک کہ شیعہ علماء اپنے امام عصر حضرت موسیٰ کاظمؑ کا بسا اوقات نام بھی نہ لے سکتے تھے اور الرجل الصالح وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کرتے تھے مگر اس کے بعد مامون الرشید نے سیاسی اسباب کے تقاضوں سے امام رضاؑ کو ولی عہدی دے کر ایک موقع پھر شیعیت کے نمودار ہونے کا پیدا کر دیا۔

ایران پہلے ہی جناب شہر بانو دختر یزدجرد شاہ ایران کے زوجۂ حضرت امام حسینؑ اور والدۂ امام زین العابدینؑ ہونے کی وجہ سے شیعیت سے مانوس ہو چکا تھا۔ اب امام رضاؑ کے خراسان میں قیام نے اسے معارف اہلبیتؑ سے مزید تعارف کا موقع پیدا کر دیا۔

اگرچہ مامون نے پھر اپنی سیاسی غلطی تصور کر کے امام رضاؑ کو زہر دے دیا مگر وہ اثرات جو آپ کے قیام خراسان سے پیدا ہو گئے تھے، مٹائے مٹ نہیں سکتے تھے۔ اسی کے نتیجہ میں قم علوم اہلبیتؑ کا ایران میں ایک بڑا مرکز بن گیا۔

اب شیعیت اتنی پھیل گئی تھی کہ اس کے فنا ہونے کے بظاہر اسباب کا بھی کوئی سوال باقی نہ رہا تھا، پھر بھی حکومت عباسیہ کا تشدد مامون کے بعد پھر بڑھ گیا۔ شیعیت کی ترقی جتنی نمایاں ہوتی جاتی تھی، حکومت کی طرف سے اس کے خلاف مظالم اتنے ہی بڑھتے جاتے تھے۔ اب یہ تیسری صدی کا درمیانی حصہ تھا جس میں متوکل نے محسوس کیا کہ شیعیت کی طرف جذب کا مرکزی نقطہ شہید کربلا حضرت امام حسینؑ کی ذات ہے مگر اب اس وقت حسینؑ تو سامنے نہ تھے کہ ان کے خلاف فوج کشی کی جاتی لہٰذا قبر امام حسینؑ کے مٹانے کی جدوجہد کی گئی اور زیارت امام حسینؑ کے روکنے کی کوشش کی گئی مگر شمع حسینی کے پروانوں نے ہاتھ کٹوائے، پیر کٹوائے، گردنیں قلم کروائیں، اور اس کے باوجود زیارت سے باز نہ آئے، نہ قدرت نے قبر حسینؑ کے نشان کو مٹانے کی کوشش کامیاب ہونے دی بلکہ درمیان میں مظالم کے بند (باندھ) جذبہ حسینی کو روکنے کی کوشش کے بعد جب کمزور ہو کر ٹوٹتے تھے، تو وہ نئی قوت اور زیادہ جوش وخروش کے ساتھ طوفانی شکل میں آگے بڑھتا تھا۔ بغداد میں امام موسیٰ کاظمؑ اور امام محمد تقیؑ کا قید ہونا اور سامرہ میں امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کی نظر بندی اور محبوس ہونا عراق میں شیعیت کے فروغ کا باعث ہو گیا۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری میں ایران کے مرکز شیعیت قم کے علاوہ خود حکومت عباسیہ کے پایۂ تخت بغداد میں شیعیت کا ایک مرکز موجود تھا۔ بارہویں امامؑ کے چاروں مخصوص نائب (مع وکلائے اربعہ) اسی بغداد میں تھے اور شیعی علم حدیث کی سب سے پہلی اور سب سے مستند کتاب کافی اسی بغداد میں لکھی گئی۔

مراکز علمیہ

اس کے بعد شیعیت کے دو علمی مرکز مستقل تھے ایک قم جس کے آخری ممتاز نمائندے شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی تھے اور دوسرے عراق میں بغداد و کاظمین۔ رفتہ رفتہ عراق کے مرکز نے اتنی قوت حاصل کی کہ قم اس کے مقابلہ میں ماند پڑ گیا۔ پانچویں صدی میں بغداد ہی خاص مرکز شیعیت ہو گیا۔

شیعی سلطنتیں

اس وقت دنیا میں شیعی سلطنتیں بھی قائم ہو گئی تھیں ایران وعراق میں سلاطین آل بویہ بہاء الدولہ، عزالدولہ اور سب سے بڑھ کر عضدالدولہ دیلمی اپنا سکہ چلا رہے تھے۔ حلب میں آل حمدان جن میں مشہور حکمران سیف الدولہ تھا اور مصر میں فاطمی سلطنت جس کی یادگار جامع ازہر کی ایسی عظیم یونیورسٹی کی شکل میں جب سے اب تک قائم ہے۔ یہی دور وہ تھا جس میں بغداد میں پہلی بار عشرۂ محرم میں علانیہ عزاداری ہوئی اور سب سے پہلا ماتمی جلوس نکلا اور مصر کے مناروں سے حَیَّ عَلیٰ خَیرِ الْعَمَلْ اور اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیاً وَلِیُّ اللّٰہِ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ دارالسلطنت بغداد میں شیخ مفید، سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور سید رضی کے ایسے علماء پیدا ہوئے جن

کے حلقۂ درس سے ہزاروں طلاب مستفید ہوتے تھے۔

نجف میں علمی مرکز کا قیام

اس شیعیت کی ترقی سے مخالف عناصر کا ''فعل در آتش'' (آگ بگولا) ہونا ظاہر ہے۔ چنانچہ پانچویں صدی کے وسط میں بغداد میں محلۂ کرخ کے شیعوں پر دھاوا بول دیا گیا۔ اتنے شیعہ قتل کئے گئے کہ کئی دن تک دجلہ (Tigris River) کا پانی دور تک خون سے رنگین رہا۔ شیخ الطائفہ شیخ طوسی رحمہ اللہ جو اس وقت تک بغداد میں مقیم تھے ان کی درسگاہ اور مسجد پر حملہ کیا گیا۔ وہ منبر جس پر بیٹھ کر وہ درس کہتے تھے آگ سے جلا دیا گیا جس کے نتیجہ میں انھوں نے بغداد سے نجف اشرف کی طرف ہجرت کی۔ اس کے بعد نجف مرکز علم ہوگیا۔

مخالف حکومت کا زوال اور شیعیت کی عظیم فتح

شیعوں کے اس قتل عام کا نتیجہ مخالف جماعت کے لئے اچھا نہیں ہوا۔ سلطنت بنی عباس میں ضعف پیدا ہوگیا اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد تاتاریوں کے ہاتھوں اس حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

لطف یہ ہے کہ عین اس وقت جب تاتاری حکومت جمہور مسلمین کی خلافت کے پرخچے اُڑا کر مادی حیثیت سے فاتح بنی ہوئی تھی وہ روحانی طور پر شیعیت سے مفتوح ہوگئی، اس طرح کہ اُسی ہلاکو کی نسل میں سلطان الجائتو خدا بندہ نے تمام مذاہب و ملل کا مطالعہ کرنے کے بعد اسلام قبول کرلیا اور فرق اسلام (اسلامی فرقوں) میں اپنے سامنے مناظرہ کرا کے مذہب شیعہ کی حقانیت کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔

ایک اور علمی مرکز

اب عراق میں ایک اور شیعی مرکز حلہ میں قائم تھا جہاں سے فقہ کی وہ کتاب جس پر آج تک دارومدار ہے یعنی شرائع الاسلام تصنیف ہوئی۔ پھر علامۂ حلی، ان کے بیٹے اور فخر المحققین اور ابن فہد حلی ایسے علماء پیدا ہوئے۔

ایران اور ہندوستان میں شیعیت کا فروغ

دسویں صدی میں شیعیت کا اثر اتنا بڑھا کہ ہندوستان میں شیعی سلطنت قائم ہوگئی۔ دکن میں قطب شاہی اور عادل شاہی اور نیز احمد نگر میں شیعیت نے قدم جما لیے۔

غیر شیعی سلطنت مغلیہ میں بھی بیرم خاں، مولانا ابوالفتح، فیضی، ابوالفضل اور قاضی نور اللہ شوستری ایسے ملت شیعہ کے ممتاز اشخاص اقتدار قائم کئے ہوئے تھے۔ اور ایران میں صفوی سلاطین نے تمام مملکت کو شیعی رنگ میں ایسا رنگ دیا کہ وہاں غیر شیعی عنصر کی پیداوار ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔ یہ وہ ان کی فتح ہے جو تاریخ عالم میں یادگار رہے اور جو ظلم و تشدد کا نتیجہ فطرۃً ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ تبدیلی ذہنیت کبھی تلوار کے وسیلہ سے ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔

گیارہویں صدی ہجری میں شیعہ سلطنتیں عرب میں یمن، عجم میں ایران اور ہندوستان میں دکن میں قائم تھیں۔ اودھ میں جونپور سلاطین شرقیہ کی وجہ سے مرکز شیعیت بنا ہوا تھا اور علمائے شیعہ میں سے ایران میں علامہ مجلسی نے شیعیت کی وہ خدمت انجام دی جو اپنی نوعیت میں بے مثال تھی۔

بارہویں صدی میں جونپور کی کمی کو فیض آباد نے پورا کیا اور تیرہویں صدی کا آغاز ہوتے ہوئے جب غفران مآب مولانا سید دلدار علی طاب ثراہ نے عراق سے تکمیل علم کرنے کے بعد لکھنؤ کو مستقر بنایا تو ان کی اور ان کی نسل کے اکابر علماء کی زیر ہدایت سلاطین اودھ نے شیعیت کی وہ ابدی خدمت انجام دی جس کے آثار اب تک جیتی جاگتی شکل میں موجود ہیں۔

۱۳/رجب ۱۲۰۰ھ کو ہندوستان میں شیعوں کی سب سے پہلی نماز جماعت جناب غفران مآبؒ کی اقتداء میں لکھنؤ ہی میں ہوئی اور ۲۷/رجب ۱۲۰۰ھ میں سب سے پہلی نماز جمعہ منعقد ہوئی۔ اس دور میں غفران مآبؒ نے شیعہ علم کلام کی سب سے بڑی کتاب ''عماد الاسلام'' لکھی۔ اسی صدی کے وسط میں عراق میں شیعہ فقہ کی سب سے بڑی کتاب ''جواہر الکلام'' لکھی گئی۔ اور اسی کے بعد اصول فقہ کی اہم ترین کتاب ''رسائل'' تصنیف ہوئی۔

بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔صفحہ ۳۷ پر

خود حضرت علیؑ کی ہر جنگ دفاعی تھی۔ پہلے امن کی ہر کوشش فرما لیتے تھے اور اس وقت تک نہ خود تلوار اٹھاتے تھے اور نہ لشکر کو اجازت تھی، جب تک دشمن کی طرف سے پہل نہ ہوجائے۔ اس کی بہترین مثال جنگ خندق میں حضرت علیؑ کی عرب کے سب سے بڑے پہلوان عمرو بن عبدود سے جنگ ہے۔ جب عمرو مقابلہ پر آیا تو آپؑ نے فرمایا میں نے سنا ہے کہ تم مدمقابل کی تین باتوں میں سے ایک بات مان لیتے ہو۔ اس نے جواب دیا ہاں یہ صحیح ہے۔ حضرت نے فرمایا اسلام قبول کرلو۔ اس نے انکار کیا۔ فرمایا صلح قبول کرکے پلٹ جاؤ۔ اس نے اس بات سے بھی انکار کیا۔ آپؑ نے فرمایا اچھا تو سواری سے اتر کر میرے سامنے آجاؤ۔ وہ مولاؑ کے مقابلہ میں آگیا پھر دنیا نے دو حیرت ناک مناظر دیکھے۔ علیؑ نے فرمایا پہلے تم وار کرو۔ عمرو انتہائی آزمودہ کار بے حد طاقتور اور عرب کا مشہور ترین پہلوان تھا۔ اس کے مقابلہ میں حضرت علیؑ بالکل نوجوان تھے، لیکن انتہائی خطرہ مول لیتے ہوئے اسے پہلے حملے کی دعوت دی اور اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے ہوئے اسلامی قانون کی بالادستی ثابت کی کہ اسلام میں تہاجم نہیں بلکہ دفاع ہے۔ دنیائے کفر واسلام دونوں حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ عمرو نے پوری طاقت سے بھرپور وار کیا۔ حضرتؑ نے اپنی سپر بلند فرمائی۔ عمرو کی تلوار ڈھال کو کاٹتی ہوئی سر مبارک میں درآئی پورا چہرا بہتے ہوئے خون سے سرخ ہوگیا۔ مولاؑ نے جوابی وار کیا۔ عمرو زخمی ہوکر گرا۔ مولاؑ اس کے سینہ پر سوار ہوئے، چاہتے تھے کہ سر کاٹیں، مگر دنیا نے دوسرا حیرت ناک منظر دیکھا کہ یکا یک عمرو کے سینے سے اتر کر ٹہلنے لگے۔ مسلمان گھبرا گئے۔ رسولؐ اللہ کی خدمت میں عرض کرنے لگے یہ علیؑ نے کیا کیا؟ بڑی ناتجربہ کاری کا ثبوت دیا اتنے بڑے پہلوان پر قابو پاکر چھوڑ دیا۔ حضورؐ نے فرمایا جب علیؑ واپس آئیں تو انہی سے پوچھ لینا۔ جب عمرو کو قتل کرکے واپس آئے تو لوگوں نے ماجرا پوچھا فرمایا کہ اس نے گستاخی کی، جس سے مجھے غصہ آگیا۔ اگر اس عالم میں اسے قتل کرتا تو یہ قتل اپنے نفس کے لئے ہوتا اللہ کے لئے نہیں۔

حضرت علیؑ نے ہمیشہ صرف اس حد تک جنگ لڑی، جس حد تک ضروری تھی اور فتح کے بعد خون کے پیاسوں تک کو معاف کردیا۔ حضرت علیؑ کا دور حکومت آزادیٔ فکر، آزادیٔ بیان اور آزادیٔ عمل کا شاہکار ہے۔

(بشکریہ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' (اردو) ۱۷؍جون ۲۰۱۱ء)

بقیہ....... تاریخ شیعہ مختصر خاکہ

اب سلطنت اودھ کے علاوہ شیعوں کی کئی حکومتیں بنگال میں قائم تھیں اور سندھ میں تالپر خاندان کی حیدرآباد اور خیرپور میں حکومت تھی۔ چودھویں صدی کے آتے آتے اگرچہ حکومت اودھ ختم ہوگئی مگر خودمختار ریاستیں رام پور، مرشدآباد، بیگن پلی، کھمبات اور خیرپور سندھ وغیرہ پھر بھی قائم رہیں۔ اب تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کی تمام ریاستوں کے ساتھ سوا خیرپور کے جو پاکستان میں ہے، ملک کی شیعہ ریاستیں بھی ختم ہوگئیں، تاہم اثرات ان کے برقرار ہیں۔ یمن اور ایران کی شیعہ سلطنتیں اب بھی بحمداللہ موجود ہیں اور علمی مراکز ایران میں قم، عراق میں نجف اشرف اور ہندوستان میں لکھنؤ کسی نہ کسی حالت میں اب بھی قائم ہیں۔ اس کے علاوہ کم ایسی جگہیں ہوں گی جہاں مسلمان ہوں اور وہاں فرقۂ شیعہ کے افراد موجود نہ ہوں۔

یہ ہے اس شیعہ قوم کی مختصر تاریخ جس کے مٹانے کے لئے سلطنتوں کی طاقت صرف ہوتی رہی مگر وہ اپنی حقانیت اور حسینی قربانی کی بدولت دنیا میں اس صورت سے لازوال حیات کی مالک ہے۔

